مشتاق احمد خان*

ناصر کاظمی کی ”پہلی بارش“: متروک اشعار، ترامیم و اضافہ

Nasir Kazmi's *Pehli Bārish*: Textual Revisions, Additions, and Omitted Verses

Abstract:

Nasir Kazmi was born in 1925, and therefore the year 2025 marks the centennial of his birth. He is counted among the most distinguished poets who emerged immediately after the creation of Pakistan and played a significant role in shaping the literary landscape of the new country. Mohammad Hassan Askari regarded him as the poet of Pakistani literature, a recognition that reflects the inimitable significance of his contribution to Urdu poetry. Nasir Kazmi's first and only poetry collection published during his lifetime, *Barg-i Nai*, appeared in 1952. His other collections were brought out after his demise. Although his life was relatively short, his poetic legacy achieved a lasting and distinguished place in the history of the Urdu Ghazal. Among his many remarkable literary achievements, *Pehli Bārish* (First Rain) occupies a unique position. Through the composition of twenty-five homomeric Ghazals in a short verse form, Nasir Kazmi introduced an innovative dimension to the tradition of the Urdu Ghazal. Initially, some of these Ghazals were published in *Nayā Daur*, and later the entire collection appeared in book form under the title *Pehli Bārish* in 1975. The collection represents an important experiment in form and structure within Urdu poetry. This article focuses on those portions of the homometric Ghazals (Ghazals in uniform metre) that were either omitted from publication in *Pehli Bārish* or underwent revision during the process of publication. It highlights the exempted and revised verses and draws attention to the textual changes that occurred before the collection reached its final published form.

Keywords: Nasir Kazmi, Mohammad Hassan Askari, Pakistani Literature, Barg-i Nai, Pehli Barish, Urdu Ghazal, Naya Daur.

ناصر کاظمی (۱۹۲۵ء-۱۹۷۲ء) کم کہنے اور اپنا کہنے میں تو یقین رکھتے ہی تھے، اپنے کلام کی کتابی صورت میں اشاعت کے سلسلے میں بھی ایک ایسی احتیاط کا مظاہرہ کرتے تھے، جو کاملیت پسند مصنفین سے مخصوص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا صرف

ایک مجموعۂ کلام برگِ نَے، ۱۹۵۲ء میں مکتبہ کارواں، لاہور سے شائع ہوا۔ انھوں نے ۱۹۷۱ء میں مزید تین (۳) مجموعوں کے مسودے تیار کیے اور انھیں جیبی سائز کی ڈائریوں میں نقل کیا۔ ان تین مجموعوں میں دیوان، پہلی بارش اور نشاطِ خواب شامل ہیں[۱]۔

ناصر کاظمی، اردو ادب کے نئے عروس البلاد (metropolis)، لاہور میں مستقل ورود سے قبل یہاں کے مشاعروں میں شہرت کما چکے تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں اسلامیہ کالج کے مشاعرے میں اپنی غزل سنا کر غیر معمولی داد وصول کی[۲]۔ پذیرائی کا عالم یہ تھا کہ اگلے روز شہر بھر میں ان کی غزل کا چرچا تھا۔ مذکورہ غزل برگِ نَے میں شامل پہلی غزل ہے۔

عبدالمجید سالک (۱۸۹۴ء-۱۹۵۹ء)، حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء-۱۹۸۲ء)، محمد دین تاثیر (۱۹۰۲ء-۱۹۵۰ء)، اختر شیرانی (۱۹۰۵ء-۱۹۴۸ء)، سید عابد علی عابد اور حفیظ ہوشیارپوری (۱۹۱۲ء-۱۹۷۳ء) جیسے نام ور، سخن شناس حضرات کی داد اور ان کی موجودگی میں سامعین سے ملی بے پناہ تحسین، ناصر کاظمی کے لیے کوئی اتفاقی اور وقتی امر نہیں تھا۔ اس سے ناصر کے تخیل کی تازہ کاری و سحر کاری اور فنِ شعر پر، کلاسیکی شعرا کی مانند گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلے شعری مجموعے میں ترکِ تعلق کے باوجود محبوب کی ضرورت محسوس کرنے والے، اداس راہی کو دورِ صبح گاہی کی نوید سنانے والے، اپنے مصروف خدا سے فسادات کی زد میں آئی ہوئی مخلوق کا شکوہ کرنے والے، شہر در شہر جلتے گھروں اور عصمتوں کے بجھتے دیوں کا نوحہ لکھنے والے، لوگوں سے خالی ہوتی ہوئی زمین اور شہروں کے سناٹوں میں اُداس اُداس پھرنے والے، پرانی صحبتوں کو یاد کرنے والے ناصر کاظمی نے شاعروں کے شہر لاہور میں جلد اپنی حیثیت منوالی۔ یہ پہاڑ سَر کرنے سے کم نہیں تھا۔

برگِ نَے اور دیوان (۱۹۷۲ء) کے علاوہ پہلی بارش ناصر کاظمی کا منفرد کارنامہ ہے۔ منفرد اور کارنامہ کے الفاظ، کسی مبالغے کے بغیر استعمال ہوئے ہیں۔ پہلی بارش کی طرح کی کوئی کتاب، اس سے پہلے اردو شاعری میں موجود نہیں تھی؛ یہ اردو غزل کی نئی روایت میں اپنی طرز کی پہلی بارش تھی۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جو غزل کی روایت کے لیے نیا تو تھا مگر اجنبی نہیں تھا۔ نیا ہو مگر اجنبی نہ ہو، یہ بلاشبہ ایک پیراڈاکس ہے۔ یہی چیز، اس کتاب کو کارنامہ ثابت کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی بارش اردو فنِ شعر گوئی میں ایک نئی اور بڑی جست ہے۔ ان سے پہلے کسی اردو شاعر کے ہاں ایسا تجربہ مسلسل چوبیس پچیس (۲۴، ۲۵) غزلوں کے ساتھ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے ممتاز نقادوں نے اس کتاب کے انفراد و امتیاز کی تحسین کھل کر کی ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن (پ ۱۹۳۴ء) لکھتے ہیں:

> غزلِ مسلسل ایک جانا پہچانا اندازِ تکلم ہے اور اساتذہ نے اپنی قادر الکلامی کا سکہ بٹھانے کے لیے ایک ہی ردیف قافیے میں تین تین چار چار غزلیں بھی کہی ہیں مگر چند ایک نہیں بلکہ چوبیس غزلیں اس طرح کہنا کہ ان کا الگ

الگ کسی ترتیب کے بغیر مطالعہ کیا جائے تو کسی ایسے سفر کا لطف آئے جس پر افسانے کی پرچھائیں پڑ رہی ہوں اور پھر ان سب میں ایک ہی ردیف قافیے کو اس بے تکان انداز میں برتنا کہ تکرار کے باوجود ہر شعر کے آخر میں "تھا" کا لفظ اوّل تا آخر، تر و تازہ اور ناگزیر معلوم ہو، یہ بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے۔[۳]

اس نادر شعری تجربے سے متعلق، خورشید رضوی (پ: ۱۹۴۲ء) کی رائے ملاحظہ کیجیے:

پہلی بارش اپنے اسلوب، تکنیک اور تجربے میں یکسر منفرد ہے جسے کسی بھی سابقہ ادب پارے سے مشابہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ مضمر حقائق کی طرف ایک گہرے سفر کی گہری کیفیات پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف میں ناصر صاحب اپنے ذہنی بلوغ کے کمال پر نظر آتے ہیں اور ہر پیش پا افتادہ حقیقت کے بواطن و اسرار کی نقاب کشائی میں حیرت خیز اور ہیبت انگیز قدرت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔[۴]

گویا پہلی بارش، محض اپنی ہیئت و تکنیک ہی کے سبب اہم نہیں، اپنے مضامین و موضوعات، لہجے، معانی کی زیریں سطحوں، امیجری اور بیانیاتی پیرایوں کے باعث بھی ممتاز ہے۔ اس کے فنی امتیازات اور فکری پہلوؤں پر کئی مضامین لکھے گئے ہیں۔ اس مضمون میں پہلی بارش کے ان اشعار کی نشان دہی کی گئی ہے جنھیں اشاعت کے وقت ترک کر دیا گیا یا ان میں کچھ ترمیم و اضافے کیے گئے۔

پہلی بارش کی اشاعت ۱۹۷۵ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور سے ہوئی۔ اس سے پہلے اس شعری مجموعے کی چند غزلیں رسالہ نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ اور ۳۵-۳۶ میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان شماروں کا سنہ اشاعت درج نہ تھا۔

۲۰۰۶ء میں جمیل جالبی (۱۹۲۹ء-۲۰۱۹ء) کی نگرانی میں نیا دور کا ۱۹۵۵ء سے ۱۹۹۳ء تک کا اشاریہ شائع ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شمارے ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں بالترتیب شائع ہوئے تھے۔ گویا پہلی بارش کی غزلیں ۱۹۶۴ء تک لکھی جا چکی تھیں۔ اس بات کی تصدیق، ناصر کاظمی کی ڈائری سے بھی ہوتی ہے۔ ۱۹۶۴ء میں جنوری کی انیس (۱۹) کو انھوں نے لکھا:

حلقۂ اربابِ ذوق میں غزل پڑھی۔ صوفی تبسم صدر تھے۔

تنہائی کا دکھ گہرا تھا
میں دریا دریا روتا تھا

الطاف فاطمہ نے افسانہ پڑھا۔[۵]

درج بالا مطلع، پہلی بارش کی ۲۳ویں غزل کا ہے۔ دوسرا ثبوت اسی کتاب میں شامل آخری غزل کی نیا دور میں

اشاعت ہے۔ مذکورہ غزل نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ میں ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی، جب کہ کچھ مزید غزلیں شمارہ نمبر ۳۵-۳۶ میں شائع ہوئیں۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ ناصر کاظمی نے یہ غزلیں رسالے کے لیے اکٹھی بھیجی ہوں گی۔ رسالے کے مدیر نے اپنی سہولت، رسالے کے مندرجات اور ادارتی ضابطوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ان میں سے بعض غزلیں ایک شمارے میں شامل کر لی ہوں گی، باقی غزلیں اگلے شماروں کا حصہ بنی ہوں گی۔ رسالے کی ترتیب سے حاصل ہونے والی شہادتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غزلیں اس ترتیب سے شائع نہیں ہوئیں جس ترتیب سے ناصر کاظمی نے انھیں بھیجی ہوں گی۔ ایک تو پہلی بارش میں غزلوں کی ترتیب مختلف ہے، دوسرا اُس بے ترتیبی کی ذمہ داری رسالے کے مرتبین پر عائد ہوتی ہے۔

مثلاً نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ کے صفحہ نمبر ۲۳۶ پر ایک غزل کے تیرہ (۱۳) اشعار درج ہیں، جب کہ صفحہ نمبر ۲۳۷ اور ۲۳۸ پر دو الگ غزلیں شامل ہیں۔ اُس کے بعد صفحہ نمبر ۲۳۹ پر غزل کے سات اشعار درج ہیں۔ ابتدا میں یہ محسوس ہوا کہ صفحہ نمبر ۲۳۹ پر مطلع کے بغیر ایک نامکمل غزل شائع ہوئی ہے، مگر جب تصدیق کے لیے پہلی بارش (۲۰۱۶ء) دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ دراصل صفحہ نمبر ۲۳۶ پر درج غزل کے باقی اشعار ہیں۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ نیا دور کے جس صفحے پر جس شاعر کی غزل شائع کی جاتی، اس کے دائیں حاشیے پر شاعر کا نام بھی درج ہوتا، جب کہ صفحہ نمبر ۲۳۹ پر شاعر کا نام موجود نہیں۔ لہٰذا واضح ہے کہ مدیر سے یہ سہو ہوا۔ اگر یہ پرنٹنگ کا مسئلہ ہوتا تو صفحات کے اوپر درج نمبروں کی ترتیب میں بھی خلل پڑتا۔ درج بالا داخلی شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ رسالے میں غزلوں کی ترتیب مدیر یا مرتب کی اپنی صوابدید کے مطابق تھی۔ ڈائری کے حوالے اور نیا دور میں شامل غزلوں کی مجموعی تفصیل سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ پہلی بارش کی غزلیں ۱۹۶۴ء تک تخلیق ہو چکی تھیں۔

پہلی بارش کی غزلوں کے سلسلے کا آغاز ۱۹۶۲ء میں ہوا تھا۔ ناصر کاظمی کے ایک قریبی دوست شیخ صلاح الدین (۱۹۲۳ء-۲۰۰۰ء) ۱۹۶۲ء میں، سردیوں کے آغاز کے دنوں میں دفتر سے گھر کے لیے روانہ ہونے لگے تو ان کے دفتر کے چپڑاسی نے انھیں روک لیا۔ وہ کسی ذاتی مسئلے پر فوری بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ دفتر کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر اس کی بات سننے لگے۔ بات کرتے کرتے تاخیر ہو گئی۔ اتنے میں ناصر کاظمی آن پہنچے۔ شیخ صلاح الدین، اُن کے ساتھ پاک ٹی ہاؤس جا بیٹھے۔ چائے کا دور چلا، دونوں باتیں کرتے رہے، دوبارہ چائے منگوائی گئی۔ اسی دوران ناصر کاظمی نے پہلی بارش کا ذکر کیا، جسے شیخ صلاح الدین یوں بیان کرتے ہیں:

> اس کے بعد اس نے بتایا کہ اس نے تیرہ غزلیں لکھیں جو آپس میں مربوط ہیں اور اس سلسلے میں کچھ غزلیں وہ اور بھی لکھے گا۔ اس سلسلے کا نام اس نے پہلی بارش رکھا ہے۔ اس کے بعد اس نے غزلیں سنانی شروع کیں۔[۲]

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، پہلی بارش کی غزلوں کا یہ سلسلہ بالکل نیا تھا۔ اس سے پہلے اردو غزل میں ایسا کوئی تجربہ نہیں ملتا کہ چھوٹی بحر کی ایک ہی زمین میں چوبیس، پچیس غزلیں لکھی گئی ہوں۔ کلاسیکی اردو غزل میں ایک زمین میں دو یا دو سے زیادہ غزلوں کے نقوش تو ضرور ملتے ہیں، لیکن چھوٹی بحر میں ایک ہی زمین میں چوبیس، پچیس غزلیں تخلیق کرنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ البتہ ناصر کاظمی کی یہ پہلی مثال، آخری ثابت نہیں ہوئی۔ ناصر کے تتبع میں کچھ شعرا نے ایک ہی بحر میں متعدد مسلسل غزلیں لکھی ہیں[7]۔ یہ الگ بات کہ کسی بھی کتاب کو، پہلی بارش جیسی شہرت ملی نہ توجہ۔

ناصر کاظمی نے سنتالیس برس کی مختصر عمر پائی، مگر انھوں نے اس مختصر عمر کے کتنے ہی قیمتی سال، فکرِ سخن میں صَرف کیے۔ کیلنڈری عمر اور تخلیقی عمر میں فرق ہوا کرتا ہے۔ ناصر کی تخلیقی عمر، جسے ریاضتِ فن کہنا چاہیے، وہ کہیں زیادہ تھی۔ اس کا نتیجہ بھی غیر معمولی تھا۔ انھی کی نظم کا ایک شعر ان پر صادق آتا ہے۔ اسے تعلّی نہیں، امر واقعہ سمجھا جانا چاہیے۔

ناصر، یہ شعر کیوں نہ ہوں موتی سے آبدار
اس فن میں کی ہے میں نے بہت دیر جانکنی[8]

فنِ شاعری سے ناصر کاظمی کی گہری لگن کا ادراک ان کی برگِ نَے اور دیوان کی غزلوں سے بھی ہوتا ہے۔ اسی تخلیقی ریاضت کی عملی تصویر پہلی بارش ہے۔ ناصر کاظمی، ایک ایک مصرعے پر کتنی توجہ، کتنا وقت اور کتنا خونِ جگر صَرف کرتے تھے، اس کا اندازہ شیخ صلاح الدین کے ایک اقتباس سے ہوتا ہے:

> جب اس نے ۱۹۶۲ء کے دوران پہلی بارش سے موسوم غزلوں کا سلسلہ اپنے قریبی دوستوں کو سنایا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ شاعری کی معراج تک پہنچ چکا ہے، اور پھر کئی برس تک اس سلسلے کی نوک پلک سنوار تا رہا۔[9]

ایسا نہیں کہ ناصر کاظمی نے ۱۹۶۴ء کے بعد کوئی قابلِ ذکر شاعری نہیں کی اور صرف ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۱ء کے دوران چند ترانے اور نظمیں لکھیں، جو نشاطِ خواب کا حصہ بنیں۔ بلکہ دیوان میں شامل ناصر کاظمی کی بعض شاہکار غزلیں پہلی بارش کے تخلیقی دور کے بعد کی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ آخر تک پہلی بارش کی غزلوں کی نوک پلک سنوارتے رہے۔ باصر سلطان کاظمی (پ ۱۹۵۳ء- فرزند ناصر کاظمی) نے جب ناصر کاظمی سے پہلی بارش کی غزلوں کی اشاعت کی بابت استفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ”ابھی لوگ اِس کے لیے تیار نہیں ہیں“[10]۔

ناصر کاظمی اپنی دور رس نگاہوں سے جو کچھ دیکھ رہے تھے، وہ درست ثابت ہوا۔ پہلی بارش کتابی صورت میں شائع ہونے کے بعد وہ اہمیت اور توجہ حاصل نہ کر سکی جس کی وہ مستحق تھی۔ البتہ چند مضامین میں اسے تحسین کی نگاہ سے ضرور دیکھا گیا۔

خورشید رضوی نے پہلی بارش پر ایک مضمون اس کی اشاعت سے پہلے لکھا۔ شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵ء-۲۰۲۰ء) نے بھی اپنے مضمون میں اس کا ذکر کیا۔ یہ ذکر بھی اشاعت سے قبل کا ہے، کیوں کہ انھوں نے وہ چند غزلیں دیکھی تھیں جو ۱۹۷۲ء میں اورینٹل کالج کے رسالے لفظ میں شائع ہوئی تھیں۔ یہ گوشہ ناصر کی وفات کے بعد، اُن کی یاد میں شائع کیا گیا تھا[۱۱]۔

اگست ۱۹۸۳ء میں باصر سلطان کاظمی نے پہلی بارش کی تیسری اشاعت پر ایک طویل دیباچہ لکھا، جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ یہ دیباچہ پہلی بارش کی شعریاتی و معنوی دنیا میں داخل ہونے کے لیے گویا پہلا دروازہ ہے۔

۱۹۹۱ء میں خواجہ محمد زکریا (پ: ۱۹۴۰ء) نے ایک مضمون لکھا، جو بعد میں اُن کی کتاب چند اہم جدید شاعر میں شامل ہوا۔ اس مضمون میں نیا دور کے دو شماروں میں شامل غزلوں کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ اُس سے پہلے اگست ۱۹۸۳ء میں باصر سلطان کاظمی نے پہلی بارش کے دیباچہ طبع سوئم کے آغاز میں نیا دور کے شماروں کا سرسری ذکر کیا۔ لیکن اُن کے دیباچے میں شماروں کے نمبروں کی نشان دہی نہیں کی گئی تھی۔ خواجہ محمد زکریا کے مضمون میں شماروں کے نمبروں کے ساتھ ساتھ متروک کلام اور ترامیم اور اضافوں کی طرف ابتدائی مگر اہم اشارے ملتے ہیں۔

> ان میں سے دس غزلیں نیا دور کراچی کے دو شماروں میں شائع ہوئی تھیں۔ کتاب میں شامل کرتے وقت نو اشعار کی ایک غزل حذف کر دی گئی... نیا دور میں چھپنے والی غزلوں میں سے صرف ایک غزل پہلی بارش میں کسی تبدیلی کے بغیر شامل کی گئی ہے... باقی آٹھ غزلیات ترمیمات کے ساتھ کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔[۱۲]

چوں کہ ان کے مضمون کا بنیادی موضوع پہلی بارش اور ناصر کاظمی کے دوسرے عشق میں تعلق دریافت کرنا تھا، اِس لیے خواجہ صاحب نے اس موضوع سے متعلق حوالوں ہی کو اپنے مضمون کا حصہ بنایا۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ ناصر کاظمی کی صدی (۲۰۲۵ء) کے موقع پر اور اس سے پہلے کے برسوں میں پہلی بارش پر چند اچھے مضامین سامنے آئے، جن سے اس کتاب کی تفہیم کا سفر آگے بڑھا ہے۔ اگلے صفحات میں، میں پہلی بارش کے متروک کلام اور کتابی اشاعت میں کی گئی ترامیم کا جائزہ لوں گا۔ اس سے قبل، اس نوع کی تحقیقی کوشش نہیں کی گئی۔

رسالہ نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ میں ناصر کاظمی کی پانچ (۵) غزلیں شائع ہوئیں۔ اس شمارے میں شامل پہلی غزل، پہلی بارش کی پندرھویں (۱۵) غزل ہے۔ اس غزل میں درج ذیل چھ (۶) اشعار پہلی بارش کی اشاعت کے وقت ترک کر دیے گئے۔

نوکا، ندیا، جال اور مچھلی
بس یہی ان کا سرمایہ تھا

کسی کسی کے تن پر کپڑا
سو میں ایک کا گھر پکا تھا
میرے لیے وہ لوگ نئے تھے
میں اُس دیس میں نیا نیا تھا
پانی کی گاتی گلیوں میں
گیت مچھیروں نے چھیڑا تھا
پانی کا اک پنکھ پکھیرو
لہروں کی گت پر اُڑتا تھا
مانجھی بھٹیالی گاتے تھے
میرا دل ڈوبا جاتا تھا[۱۳]

شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ میں شامل دوسری غزل، مجموعے میں سولھویں (۱۶) غزل کے طور پر شامل ہے۔ مجموعہ شائع کرتے وقت اس غزل کے درج ذیل پانچ (۵) اشعار ترک کر دیے گئے۔

سر پر جل کی نرمل چُنری
پاؤں میں چاندی کا توڑا تھا
گڑیا سی اک سندرتا نے
رادھا کا بہروپ بھرا تھا
سانولے موہنے اک بالک نے
روپ کنہیا کا دھارا تھا
کومل پگ، گھمبیر اشارے
نرت انوکھی، بھاؤ نیا تھا
پتلی سی نازک باہوں میں
چوڑا چھن چھن بول رہا تھا[۱۴]

پانچ اشعار حذف کرنے کے علاوہ ایک شعر میں معمولی ترمیم بھی کی گئی۔ نیا دور کے مذکورہ شمارے میں شامل شعر اس طرح تھا:

بالی سی رادھا، بالا سا موہن
ایسا ناچ کہاں دیکھا تھا[۱۵]

جب کہ مجموعے میں یہ شعر یوں درج ہے:

بالی رادھا، بالا موہن
ایسا ناچ کہاں دیکھا تھا[۱۶]

"سی" اور "سا" کے حذف کر دینے سے مصرع زیادہ چست اور رواں ہو گیا ہے۔ بالی رادھا، بالا موہن "فعلن فعلن فعلن فعلن" کے وزن پہ پورا اتر رہا ہے۔ جب کہ پہلے کے مصرعے میں "بالی سی رادھا" میں بالی کا 'ی' اور سی کا 'ی' گر رہا تھا اور "بالا سا موہن" میں بالا کا 'الف' اور سا کا 'الف' گرنے سے وزن پورا ہو رہا تھا۔ جب مصرع بدلا گیا تو پہلے "سی" اور "سا" کی موجودگی سے مصرعے میں تشبیہی تعلق پیدا ہو رہا تھا، لیکن ان کے حذف ہونے کے بعد مصرع استعاراتی فضا میں ڈھل گیا ہے۔ اسی استعاراتی فضا نے شعر کو مزید فنی پختگی اور اشاراتی معنوی گہرائی عطا کر دی ہے۔

نیا دور کے مذکورہ شمارے میں تیسری غزل کے تیرہ (۱۳) اشعار صفحہ نمبر ۲۳۶ پر، اور سات (۷) اشعار صفحہ نمبر ۲۳۹ پر درج ہیں۔ اس بے ترتیبی کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

بیس (۲۰) اشعار پر مشتمل اس غزل کو جب پہلی بارش میں سترھویں (۱۷) غزل کے طور پر شامل کیا گیا تو اس کے درج ذیل نو (۹) اشعار حذف کر دیے گئے۔

یاد آیا وہ موڑ گلی کا
میں جہاں روز تجھے ملتا تھا

پیپل کا وہی پیڑ پرانا
میرا رستا دیکھ رہا تھا

برسوں کی پیاسی دھرتی پر
ست رنگا بادل برسا تھا

ایک وہ دن جب ٹھنڈے ٹھنڈے
تُو نے سفر کا عزم کیا تھا

تیرے لیے یا اپنی خاطر
میں نے تجھ کو روک لیا تھا

نئے گلاب کے بندِ قبا کو
دھوپ کے ہاتھوں نے کھولا تھا
ایک جھڑی پھر ایسی آئی
پتّا ڈال سے ٹوٹ گیا تھا
یاد آیا وہ تیرا جانا
میں اس دن رو بھی نہ سکا تھا
سورج، ملتے ہاتھ اور سائے
اک دنیا اور میں تنہا تھا[۱۷]

اس غزل میں اشعار حذف کرنے کے علاوہ دو(۲) نئے اشعار کا اضافہ بھی کیا گیا، جو مجموعے میں شامل ہیں:

صبح ہوئی تو سب سے پہلے
میں نے تیرا منہ دیکھا تھا
شام کی گہری اونچائی سے
ہم نے دریا کو دیکھا تھا[۱۸]

مذکورہ غزل کا ایک شعر ہے:

کاغذ کے دل میں چنگاری
خس کی زباں پر انگارہ تھا[۱۹]

نیا دور میں شائع شدہ غزل میں "خس" کے بجائے "حسن" چھپ گیا ہے، جو کہ طباعت کی غلطی ہے، کیوں کہ "حسن" سے پورا مصرع عروض کی رو سے بے وزن ہو جاتا ہے۔

نیا دور شمارہ ۳۳-۳۴ میں شامل چوتھی غزل مجموعے میں شامل نہیں کی گئی۔ یہ غزل آٹھ (۸) اشعار پر مشتمل تھی۔ غزل ملاحظہ ہو:

جادو تھا، سپنا تھا، کیا تھا
میں نے تجھ میں کیا دیکھا تھا
خدوخال تو یونہی سے تھے

چہرہ بھی معمولی سا تھا
آنکھیں بھی آنکھوں جیسی تھیں
ماتھا بھی ماتھے جیسے تھا
باتیں جیسے سب کی باتیں
لہجہ بھی سیدھا سادا تھا
جس مٹّی پر ناز تھا تجھ کو
میں بھی اسی مٹی سے بنا تھا
جو گلیاں تری گردِ رہ تھیں
میں بھی وہیں چلتا پھرتا تھا
تیری خوشی کیا مجھ سے الگ تھی
تیرا دکھ کیا مجھ سے جدا تھا
آخر وہ کیا چیز تھی جس نے
میرے دل کو موہ لیا تھا[۲۰]

اس شمارے میں ناصر کاظمی کی پانچویں غزل، پہلی بارش کی آخری یعنی چوبیسویں (۲۴) غزل ہے۔ مذکورہ شمارے کے علاوہ شمارہ نمبر ۳۵-۳۶ میں بھی اس طرز کی غزلیں شامل ہیں، لیکن دونوں شماروں میں یہی واحد غزل ہے جو کسی شعر کی تبدیلی، حذف واضافے کے بغیر پہلی بارش کا حصہ بنی۔ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

تیرا قصور نہیں، میرا تھا
میں تجھ کو اپنا سمجھا تھا[۲۱]

نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۵-۳۶ میں ناصر کاظمی کی غزل کے سلسلے کی چار غزلیں شائع ہوئیں۔ ۱۹۶۵ء کے اس شمارے میں شامل پہلی غزل مجموعے کی بارھویں (۱۲) غزل ہے۔ مجموعے میں اس غزل کے دس (۱۰) اشعار میں سے تین شعر حذف کر دیے گئے۔

ایک نرالے وہم نے تجھ کو
چلتے چلتے روک لیا تھا
اک ان جانے شخص کا سایا
میری طرف بڑھتا آتا تھا

ہاتھ میں ایک سفید سا کاغذ
ہونٹوں پر انگارا سا تھا[۲۲]

اس کے علاوہ ایک شعر میں معمولی ترمیم کی گئی۔ آخری شعر میں "کرتا" کی جگہ "لیتا" کر دیا گیا۔ مجموعے میں شعر اس طرح ہے:

ان سے الجھ کر بھی کیا لیتا
تین تھے وہ اور میں تنہا تھا[۲۳]

نیا دور میں شامل مذکورہ غزل کے ایک شعر کے مصرعے میں غالباً کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے "کے" نہیں لکھا گیا۔

دیکھ دو چلتے سایوں کو[۲۴]

دیکھ کے دو چلتے سایوں کو[۲۵]

نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۵-۳۶ میں ناصر کاظمی کی دوسری غزل، پہلی بارش میں تیرھویں غزل کے طور پر شامل ہے۔ نیا دور میں یہ غزل پچیس (۲۵) اشعار پر مشتمل ہے، جسے پہلی بارش میں شامل کرتے وقت گیارہ (۱۱) اشعار حذف کر دیے گئے۔ حذف شدہ اشعار درج ذیل ہیں:

مجھ پر آگ حرام تھی لیکن
آگ نے اپنا کام کیا تھا
چار طرف شعلوں کی قناتیں
سر پر شعلوں کا خیمہ تھا
پچھلی طرف دوزخ کی کھڑکی
آگے خون کا دروازہ تھا
پاؤں میں زرد سنہری جوتی
ہاتھ میں آگ کا گلدستہ تھا
زرد صراحی مُنھ سے لگا کر
بار بار پانی پیتا تھا
نیلے سبز دھوئیں کی چادر

پیلی راکھ کا پہناوا تھا
سر پر جلتی آگ کی ہنڈیا
طوق گلے میں سانپوں کا تھا
سینے پر دو کالی کلیاں
پیٹ کی جھیل میں کنول کھلا تھا
کوڑیوں والا کالا پھنیر
جسم کا سونا چاٹ رہا تھا
آگ کی چمکیلی گلیوں میں
روزِ حساب کا ہنگامہ تھا
آگ تھی اندھی، آگ تھی بہری
کون وہاں کس کی سنتا تھا[۲۶]

اس کے علاوہ پہلی بارش کے تین (۳) شعروں میں جزوی ترامیم کی گئیں ہے۔ مثال کے طور پر:

نیا دور میں:

۱۔ جسم کے جلتے آتشداں میں
۲۔ خون کی محل سرا کے اندر
۳۔ وہم کی زہر بھری دیمک نے[۲۷]

پہلی بارش میں:

۱۔ تنہائی کے آتشداں میں
۲۔ آگ کی محل سرا کے اندر
۳۔ وہم کی مکڑی نے چہرے پر[۲۸]

ان تبدیلیوں کے علاوہ ایک مصرع میں کمپوزنگ کی غلطی کے باعث ”ایک“ کی جگہ غلطی سے ”اک“ درج ہے، جس سے مصرع بے وزن ہو گیا۔ درست مصرع یوں ہے کہ:

ایک رسیلے جرم کا چہرہ[۲۹]

نیا دور ۳۵-۳۶ میں تیسری غزل پہلی بارش میں بیسویں (۲۰) نمبر پر ہے۔ رسالے میں اس کے بارہ (۱۲) اشعار ہیں۔ پہلی بارش کا حصہ بننے تک اس کے پانچ (۵) شعر حذف کر دیے گئے۔

کانٹوں کے ویراں جنگل میں
میں کس مشکل سے پہنچا تھا
یہ جنگل اور تیری خوشبو
کیا میں سپنا دیکھ رہا تھا
آج وہ آنکھیں بجھی بجھی تھیں
میں جنھیں پہروں ہی تکتا تھا
آج وہ بال پریشاں سے تھے
میں جنھیں آنکھوں سے ملتا تھا
تو نے بھی کوئی بات نہ پوچھی
میں بھی تجھے کچھ کہہ نہ سکا تھا[۳۰]

اسی شمارے میں چوتھی (۴) غزل پہلی بارش میں اٹھارھویں (۱۸) غزل کے طور پر شامل ہے، جو چودہ (۱۴) اشعار پر مشتمل تھی۔ مجموعے میں شامل کرتے وقت اس میں سے پانچ (۵) شعر حذف کر دیے گئے۔

رات بھی کچھ پھیکی پھیکی تھی
چاند بھی کچھ روٹھا روٹھا تھا
ایک صدا مجھے روک رہی تھی
اک سایا مجھے کھینچ رہا تھا
وہی نشست، وہی کھڑکی تھی
ویسا ہی تنہا گوشہ تھا
پیروں میں وہی پھول سی جوتی
ویسا ہی سادہ کرتا تھا
یوں لگتا تھا جیسے مجھ کو
وہ بھی کچھ پہچان رہا تھا[۳۱]

اس کے علاوہ دو شعروں میں ترامیم کی گئیں: ایک کے مصرعِ اولیٰ میں جزوی تبدیلی اور دوسرے کے مصرعِ ثانی میں ترمیم ہوئی۔ نیا دور اور پہلی بارش کے مصرعے درج ہیں:

۱۔ کتنی تیز مہیب ہوا تھی

۲۔ ویسا ہی سندر مکھڑا تھا[۳۲]

پہلی بارش میں:

۱۔ کتنی تیز اداس ہوا تھی

۲۔ ویسا ہی ہنستا چہرہ تھا[۳۳]

نیا دور کے مذکورہ شمارے کے صفحہ ۲۹۳ پر ناصر کاظمی کی ایک اور غزل بھی شامل ہے۔ چوں کہ اس غزل کا پہلی بارش سے کوئی تعلق نہیں اور یہ الگ زمین کی غزل ہے، اس لیے اسے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

لفظ ۱۹۷۲ء میں ناصر کاظمی کی پانچ غزلیں شائع ہوئیں۔ پہلی بارش کی ترتیب میں غزل نمبر ۱، ۵، ۶، ۷ اور ۱۲ رسالے کا حصہ بنیں۔ رسالے میں اُن غزلوں کے گوشے کا نام بھی پہلی بارش رکھا گیا۔ مذکورہ غزلوں میں صرف ایک مصرعے میں فرق ملتا ہے۔

لفظ میں:

رنگ ان کا پتھر جیسا تھا[۳۴]

پہلی بارش میں:

رنگ بھی ان کا پتھر سا تھا[۳۵]

خورشید رضوی نے ۱۹۷۳ء میں پہلی بارش پر ایک مضمون لکھا، جب کہ اس (پہلی بارش) کی اشاعت ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔ یہ مضمون کتاب کی اشاعت سے قبل تحریر کیا گیا تھا۔ انھوں نے پہلی بارش کے اسلوب، تکنیک اور تجربے پر گفتگو کے لیے بیس (۲۰) اشعار کا انتخاب کیا۔ ان منتخب اشعار میں سے چھ (۶) اشعار پہلی بارش میں موجود نہیں ہیں۔ ترک کیے گئے تین شعر پہلے دیکھیے:

دیس دیس کا پانی دیکھا

جانے اس پانی میں کیا تھا

دو سایوں نے کشتی لے کر
جھیل کا سینہ چاک کیا تھا

تیری گلی نے دیکھ کے مجھ کو
دھوپ کا آنچل اوڑھ لیا تھا[۳۶]

خورشید رضوی کے مضمون میں شامل درج ذیل اشعار پہلی بارش میں نہیں ملتے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اشعار کن غزلوں کا حصہ تھے؟ مضمون میں شامل دیگر اشعار اس معاملے کو کسی حد تک واضح کرتے ہیں۔ جیسے مندرجہ بالا پہلا شعر مضمون (خورشید رضوی) کی ترتیب میں جہاں درج ہے، اس سے پہلے کے دو اشعار پہلی بارش کی غزل نمبر ۱۴ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مجموعے کی دو غزلوں بالترتیب ۱۴-۱۵ میں پانی کا استعارہ زیادہ استعمال ہوا ہے۔

غزل نمبر پندرہ (۱۵)، نیا دور کے شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ میں شامل تھی، جس کے کچھ اشعار حذف کر کے اسے مجموعے میں شامل کیا گیا۔ حذف شدہ اشعار میں بھی زیرِ بحث شعر موجود نہیں تھا۔ لہٰذا ان دو شہادتوں کی بنیاد پر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شعر غزل نمبر چودہ (۱۴) کا حصہ ہو گا۔

درج بالا اشعار کے اگلے دونوں شعر پہلی بارش (۱۹۷۵ء) کی غزل نمبر پانچ (۵) کے معلوم ہوتے ہیں۔ مضمون میں دوسرے شعر سے پہلے جو شعر درج ہے، اس میں بھی ''جھیل'' کا لفظ آیا ہے، جب کہ تیسرے شعر میں دھوپ کا استعارہ موجود ہے۔ اسی طرح اس غزل کے مزید تین (۳) اشعار میں بھی دھوپ کا استعارہ ملتا ہے۔ اس بنیاد پر دونوں شعروں کو پہلی بارش کی غزل نمبر پانچ (۵) کا حصہ تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

پہلی بارش (۱۹۷۵ء) کی پہلی غزل حمدیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ خورشید رضوی نے اپنے مضمون میں اس غزل کے بھی کچھ اشعار درج کیے ہیں، جن میں تین (۳) اشعار مزید ایسے ملتے ہیں جو مجموعے میں شامل نہیں ہوئے۔ وہ اشعار درج ذیل ہیں:

لکھ لکھ ہارے لکھنے والے
کاغذ کورے کا کورا تھا

میں وہ علمِ علیم ہوں جس نے
بن دیکھے تجھے مان لیا تھا

تیرے سوا کیا تجھ سے مانگوں
یوں تو جو مانگا پایا تھا[۳۷]

ان اشعار کے علاوہ ایک مصرعے میں جزوی ترمیم کی گئی ہے۔ ان (خوشید رضوی) کے مضمون اور پہلی بارش میں مصرعے کا فرق دیکھیے:

مضمون میں:

مست رسیلی تیز آنکھوں سے
وہ پانی مجھے دیکھ رہا تھا[۳۸]

پہلی بارش میں:

گہری گہری تیز آنکھوں سے
وہ پانی مجھے دیکھ رہا تھا[۳۹]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خورشید رضوی کے پاس اشاعت سے پہلے پہلی بارش کا کلام کیسے پہنچا؟

غالب احمد (۱۹۲۸ء-۲۰۱۶ء) ناصر کاظمی کے قریبی دوستوں میں شامل تھے۔ جب وہ سرگودھا میں تعلیمی بورڈ کے سیکرٹری تھے تو اس دوران ان کے پاس پہلی بارش کی غزلیں موجود تھیں۔ تمام غزلیں نہایت صاف، خوش خط اور مرتب انداز میں لکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے وہ غزلیں خورشید رضوی کو مطالعے کے لیے دیں۔ انھیں غزلیں بہت منفرد لگیں۔ انھوں نے غزلیں اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیں۔

جب ناصر کاظمی کی وفات ہوئی تو برسی کے موقع پر انھیں مضمون لکھنا تھا، وہی نوٹس اور فوٹو کاپیاں ان کا بنیادی ماخذ بنیں[۴۰]۔ اس کے علاوہ پہلی بارش سے قبل شائع شدہ کلام بھی ان کے پیش نظر تھا۔

پہلی بارش کا مسودہ غالب احمد کو خود ناصر کاظمی نے دیا تھا تاکہ وہ اس پر دیباچہ لکھیں گے، ان سے وہ مسودہ گم ہو گیا۔ اس صورت میں ناصر کاظمی نے پرانی ڈائری سے ایک نئی ڈائری پر غزلیں نقل کیں اور اس پر جلی حروف میں پہلی بارش درج کیا۔ اس نئے مسودے میں کچھ ترامیم بھی کی گئیں۔ اس عرصے میں غالب احمد کو گم شدہ مسودہ مل گیا لیکن ناصر کاظمی کی وفات ہو چکی تھی، اس لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ ترمیم شدہ ڈائری والا نسخہ شائع کیا جائے یا غالب احمد کے پاس موجود پہلا مسودہ؟ اس مسئلے کے حل کے لیے شیخ صلاح الدین، انتظار حسین (۱۹۲۵ء-۲۰۱۶ء)، احمد مشتاق (پ: ۱۹۳۳ء)، صلاح الدین محمود (۱۹۳۴ء-۱۹۹۸ء)، غالب احمد کی ناصر کاظمی کے صاحبزداوں کے ساتھ ایک نشست ہوئی۔ اس میں یہ طے پایا کہ ناصر کاظمی کی نئی ڈائری والا ترمیم شدہ مسودہ شائع کیا جائے[۴۱]۔ چناں چہ یہی نسخہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

ناصر کاظمی کی ہم زمین غزلوں کے سلسلے کی پہلی اشاعتوں، مضامین اور کتابی صورت کے جائزے کے بعد مجموعی طور پر پچاس اشعار اور آٹھ اشعار پر مشتمل ایک غزل، یعنی کل اٹھاون اشعار ایسے سامنے آئے جنھیں پہلی بارش (۱۹۷۵ء) کی اشاعت میں حذف کر دیا گیا۔ ان میں سے کچھ اشعار بطور حوالہ بعض مضامین کا حصہ ضرور بنے، تاہم راقم کے اس مضمون میں انھیں ان کی اصل غزلوں کی نشان دہی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مصرعوں میں ترامیم کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

آخر میں، اس امر پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ شاعر عمومی طور پر اور ناصر کاظمی نے خاص طور پر اپنے کلام کو کس بنیاد پر ترک کیا، حالاں کہ اس میں سے خاصا حصہ شائع بھی ہو چکا تھا۔

اردو شاعری میں اپنا لکھا ترک کر دینے کا سلسلہ نیا نہیں بلکہ روایت میں غالب (۱۷۹۷ء-۱۸۶۹ء) اور اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) جیسے قادر الکلام شعرا موجود ہیں جنھوں نے بوقت اشاعت اپنے کلام کا خاصا حصہ قلم زد کر دیا جسے محققین نے اکٹھا کر کے شائع کر دیا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے آیا کہ شاعر اپنے کلام کی قدر سنجی میں ٹھوکر کھاتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر متروک کلام کی بحث کیسی اور اس کی جمع آوری کر کے شائع کرنا ضروری کیوں؟ درج ذیل سوالات کی وضاحت کے لیے اولاً میں غالب اور اقبال کے منظوم کلام سے کچھ شعری مثالیں اور محققین کی آرا سے مدد لوں گا۔ بعد میں ان خطوط پر ناصر کاظمی کے متروک کلام پہ بات کروں گا۔

غالب کے منسوخ دیوان سے چند اشعار دیکھیے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقشِ پا پایا[۴۲]

کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں، لیکن آخر
جس کو دل کہتے تھے سو تیر کا پیکاں نکلا[۴۳]

کس کا خیال آئینۂ انتظار تھا
ہر برگِ گل کے پردے میں دل بے قرار تھا[۴۴]

ہوں گرمئ نشاطِ تصوّر سے نغمہ سنج
میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں[۴۵]

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادہء گلفام گر برسا کرے[۴۶]

درج بالا پانچ شعر صرف نمونے کے طور پر لیے گئے، اس طرح کے سیکڑوں اشعار منسوخ دیوان سے نکل سکتے ہیں کیا درج شدہ نمونوں سے انکار ممکن ہے؟ کیا غالب کے متداول دیوان کے تمام اشعار فکری اور فنی سطح پر ان اشعار سے بلند ہیں؟ وجاہت علی سندیلوی (۱۹۱۶ء-۱۹۹۶ء) کے اقتباس میں اس سوال کا جواب پنہاں ہے:

> غیر متداول کلام کے بعض شہ پاروں کو نظر انداز کر دینا صرف غلطی نہیں بلکہ ظلم ہو گا۔۔۔ اس سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ دیوان سے باہر بھی ان کے دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں ایسے اشعار ملتے ہیں جو ان کے دیوان کے سیکڑوں اشعار سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔[۴۷]

وجاہت علی سندیلوی کے مضمون میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ان (غالب) کی کئی غزلیں ان کے خطوط اور دوستوں کے بیاضوں سے بر آمد ہوئیں۔ اس لیے غالب امکان ہے کہ اپنے کلام کے انتخاب کے وقت مرزا غالب کے سامنے ان کا پورا کلام موجود نہ تھا۔[۴۸]

مسلم ضیائی (۱۹۱۱ء-۱۹۷۷ء) کے مرتبہ غالب کے منسوخ دیوان کے درج شدہ پانچویں شعر کے حوالے سے بھی وجاہت سندیلوی نے لکھا کہ غالب کے خطوط میں درج ہے۔ مذکورہ شعر مسلم ضیائی کے مرتبہ منسوخ دیوان میں جس صفحے پر درج ہے اسی کے حاشیے میں خدشے کا اظہار کیا ہے کہ انتخاب کے وقت غالب کے سامنے کوئی اور نسخہ تھا۔

غالب کے غیر متداول کلام کی پیچیدگیوں سے نبرد آزما ہونے اور ان کے منسوخ کلام کے مرتبے تک پہنچنے کے لیے گیان چند (۱۹۲۳ء-۲۰۰۷ء) کی تفسیر غالب کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس میں انھوں نے غالب کے غیر متداول کلام کی شرح کی ہے۔ نیّر مسعود (۱۹۳۶ء-۲۰۱۷ء) گیان چند کی شرح کی تحقیق اور غالب کے غیر متداول دیوان کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> اس کلام کو سمجھنے کی کوشش جو وحشت پیدا کرتی تھی وہ بڑی حد تک ڈاکٹر گیان چند نے دور کر دی ہے۔ اب غالب کے اس کلام کی تفہیم اور تجزیے کا دور شروع ہو سکتا ہے اور اس لحاظ سے عجب نہیں کہ اکیسویں صدی غالب کے غیر متداول دیوان کی صدی ہو۔[۴۹]

غالب کے منسوخ دیوان کے علاوہ ڈاکٹر صابر کلوروی (۱۹۴۹ء-۲۰۰۸ء) نے کلیات باقیات شعر اقبال ترتیب دی تو دیباچے کے آغاز میں ہی سوال اٹھایا کہ ”جس کلام کو علامہ نے اپنی زندگی میں پسند نہیں کیا اسے ہم کیوں تحقیق اور تنقید کا موضوع بنائیں؟“[۵۰]

صابر کلوروی نے اپنے اٹھائے گئے سوال کا مقدمہ تفصیل سے پیش کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر باقیات کلام اقبال سامنے نہ آتی تو ان کی ذاتی زندگی، شخصیت، تعلقات اور دل چسپیوں کے کئی پہلو پردۂ اخفا میں رہتے۔ جیسے داغ دہلوی (۱۹۰۵ء-۱۸۳۱ء) کی دعوت پر ملک دکن جانا[۵۱]، اقبال کا غزل گوئی ترک کرنا[۵۲]، اقبال کی شاعری پر دیگر شعرا کے اثرات، فرضی ناموں سے لکھی

گئی ان کی نظمیں اور ان کا پس منظر، راگ اور موسیقی سے دل چسپی، اقبال کی تاریخ گوئی، ان کی فرمائشی نظمیں، اولیا سے عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کے فنی ارتقا تک رسائی متروک کلام کے ذریعے ہوتی ہے۔ متروکات کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں کی گئی ترامیم سے ان کی فنی ریاضت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے مسودات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصرعے انھوں نے متعدد مرتبہ تبدیل کیے تب جا کر وہ مطمئن ہوئے۔ جیسے ایک بہت معروف شعر کا مصرع ابتدا میں مختلف تھا۔

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

دوسرا مصرع ابتدا میں:

باقی ہیں کچھ آثار ملوکی کے مٹا دو[۵۳]

باقیات اقبال کے شعری انتخاب سے دو شعر دیکھیے:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا[۵۴]

غیر متداول کلام سے صرف نمونے کے دو شعر پیش کیے گئے ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ رد کیا گیا کلام ان کے متداول کلام سے کسی طور کم نہیں۔

غالب اور اقبال کے علاوہ کئی شعرا کے کلام کی باقیات شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں انیس (۱۸۰۰ء-۱۸۷۴ء)، دبیر (۱۸۰۳ء-۱۸۷۵ء)، فانی بدایونی (۱۸۷۹ء-۱۹۴۱ء)، چکبست (۱۸۸۲ء-۱۹۲۶ء) اور جگر مراد آبادی (۱۸۹۰ء-۱۹۶۰ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

غیر متداول کلام پر چند ضروری حوالوں کے بعد ناصر کاظمی کی پہلی بارش کے باب میں غالب احمد کے ہاتھوں مسودے کی گم شدگی، متروک کلام کی فکری و فنی حیثیت اور ترامیم و اضافوں کا جائزہ مختصراً بیان کروں گا۔

شاعر کا لکھا ہوا کوئی شعر اس کے شعری سفر میں بے معنی اور بے کار اس لیے نہیں قرار دیا جا سکتا کہ کم زور سے کم زور شعر بھی کسی پختہ فن پارے کی ارتقائی سیڑھی ضرور بنتا ہے۔ ناصر کاظمی کی پہلی بارش کے سلسلے میں متروک اشعار میں ایسے بھی شامل ہیں جو ان کے فنی ارتقا کا پتا دیتے ہیں انھیں پہلی بارش کے انتخاب کا حصہ ہونا چاہیے تھا لیکن انھی اشعار میں بہترین اشعار بھی

قلم زد ہو گئے۔ جیسے خورشید رضوی کے مضمون میں شامل تین شعر ملاحظہ ہوں۔

لکھ لکھ ہارے لکھنے والے
کاغذ کورے کا کورا تھا

میں وہ علم علیم ہوں جس نے
بن دیکھے تجھے مان لیا تھا

دو سایوں نے کشتی لے کر
جھیل کا سینہ چاک کیا تھا

درج شدہ تینوں اشعار کا گزشتہ صفحات میں تفصیلی حوالہ آچکا ہے۔ ان شعروں کو پہلی بارش میں شامل اشعار کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو فکری اور فنی طور پر کم تر ہر گز نہیں۔ پہلے دونوں شعر حمدیہ ہیں۔ خالق کے ساتھ محبت کا مضبوط بیانیہ ان شعروں کا خاصہ ہے۔ تیسرے شعر میں حرکی امیج پیدا کیا گیا ہے۔ اِن شعروں کو پڑھ کر گمان گزرتا ہے کہ جو مسودہ غالب احمد سے گم ہوا اُس میں کچھ ایسے اشعار ہوں گے جو ناصر کی ڈائری یا ان کے حافظے میں نہیں ہوں گے اور غالب احمد کے گم شدہ مسودے کے واپس ملنے تک ناصر کاظمی وفات پا چکے تھے۔

خورشید رضوی کے مضمون میں شامل اشعار کی حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن جب ناصر کاظمی پرانی ڈائری سے دوبارہ مسودہ تیار کر رہے تھے، اس وقت نیا دور کے شمارے تو ان کے پاس تھے جن میں ان کی غزلیں شائع ہوئیں۔ ان شماروں میں شامل شعروں کے ترک کرنے کے معاملے میں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کی قدر سنجی میں ٹھوکر کھائی۔ جیسے نیا دور ۳۳-۳۴ کی ایک مکمل غزل ہی انھوں نے نکال دی جس میں بظاہر سیدھے سادے لیکن فنی حوالے سے پختہ شعر شامل ہیں۔

مختلف غزلوں سے چند شعر دیکھیے:

پانی کی گاتی گلیوں میں
گیت مچھیروں نے چھیڑا تھا

پیپل کا وہی پیڑ پرانا
میرا رستا دیکھ رہا تھا

سینے پر دو کالی کلیاں
پیٹ کی جھیل میں کنول کھلا تھا

درج بالا تینوں شعروں کا حوالہ پچھلے صفحوں میں درج ہے۔ پہلے شعر میں 'مچھیروں کا گیت' تو اردو شاعری میں برتا گیا مضمون ہے لیکن 'پانی کی گاتی گلیوں' کا تلازمہ ناصر کاظمی کے تخیل کی ایجاد ہے اس سے پہلے شاعری میں 'پانی کی گاتی گلیاں' اور 'بارش کی ترچھی گلیاں' کسی شاعر نے محسوس نہیں کیں۔ 'پیپل کے پیڑ' اور 'رستے کا تعلق' پرانا ہے اور مضمون بھی بہت مستعمل سا ہے لیکن اس شعر کی روانی اور شعر کہنے کی آسانی قابل داد ہے۔ تیسرے شعر میں 'کالی کلیوں' اور 'پیٹ کی جھیل میں کنول' میں استعارے کا سہارا لے کر جتنا واضح جنسی امیج شاعر نے تخلیق کیا یہ فنی پختگی اور الفاظ کے مختلف معنیاتی پہلوؤں (Shades) پر کامل گرفت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ انھوں نے کس قدر آسانی کے ساتھ شعر کے فریم میں ایک تصویر ٹانک دی۔

وجاہت علی سندیلوی لکھتے ہیں:

> کوئی بھی ادب کسی شاعر یا ادیب کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ ساری دنیائے ادب کی ملکیت ہوتا ہے اس بات کا فیصلہ کہ کس ادب پارے کو باقی اور کس کو فنا ہو جانا چاہیے اس کے خالق یعنی شاعر یا ادیب کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ زمانے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔[۵۵]

وجاہت سندیلوی کے بیان سے اتفاق کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ ناصر کاظمی نے بھی پہلی بارش کا مسودہ تیار کرتے وقت جن شعروں کو ناقدری سے قلم زد کیا اس کا فیصلہ قارئین کریں گے کہ ان کی اہمیت کیا ہے۔ انھوں (ناصر کاظمی) نے بعض اشعار میں ترامیم کیں اور شعروں کا اضافہ کیا۔ ترامیم اور اضافوں کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ انھیں مد نظر رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ترامیم کے بعد شعروں میں زیادہ روانی، چستی اور مضبوط تلازمہ کاری پیدا ہوئی۔

ناصر کاظمی کی پہلی بارش کے متروک کلام کی جمع آوری ان کی ریاضیت، فنی ارتقا اور تخلیقی تجربے کے مراحل تک رسائی کی کلید ہے۔

عکس ٹائٹل کور، نیا دور، شمارہ ۳۳-۳۴۔

نیا دور کراچی

۳۳—۳۴

سالانہ:۔ ۱۶ روپے

قیمت فی پرچہ:۔ ۳ روپے

شائع کردہ:۔ پاکستان کلچرل سوسائٹی کراچی ۵

عکس، انر ٹائٹل، نیا دور، شمارہ ۳۳-۳۴۔

ناصر کاظمی

جادو تھا، سپنا تھا، کیا تھا
میں نے تجھ میں کیا دیکھا تھا

خدوخال تو یونہی سے تھے
چہرہ بھی معمولی سا تھا

آنکھیں بھی آنکھوں جیسی تھیں
ماتھا بھی ماتھے جیسا تھا

باتیں جیسے سب کی باتیں
لہجہ بھی سیدھا سادا تھا

جس مٹی پہ ناز تھا تجھ کو
میں بھی اسی مٹی سے بنا تھا

جو گلیاں تری گزرگہ تھیں
میں بھی وہیں چلتا پھرتا تھا

تیری خوشی کیا مجھ سے الگ تھی
تیرا دکھ کیا مجھ سے جدا تھا

آخر وہ کیا چیز تھی جس نے
میرے دل کو موہ لیا تھا

عکس ٹائٹل کور، نیا دور، شمارہ ۳۵-۳۶۔

نیا دور کراچی

۳۵—۳۶

سالانہ:۔ ۱۶ روپے
قیمت فی پرچہ:۔ ۳ روپے

شائع کردہ:۔ پاکستان کلچرل سوسائٹی کراچی ۵

عکس انرٹائٹل، نیا دور، شمارہ ۳۵-۳۶۔

ناصر کاظمی

دم ہونٹوں پر آکے رُکا تھا
یہ کیسا شعلہ بھڑکا تھا

جسم کے جلتے آتشداں میں
میں لکڑی کی طرح جلتا تھا

مجھ پہ آگ حرام تھی لیکن
آگ نے اپنا کام کیا تھا

چار طرف شعلوں کی قناتیں
سر پر شعلوں کا خیمہ تھا

زرد گھروں کی دیواروں کو
کالے سانپوں نے گھیرا تھا

پچھلی طرف دوزخ کی کھڑکی
آگے خون کا دروازہ تھا

خون کی محل سرا کے اندر
سونے کا بازار کھلا تھا

محل میں ہیروں کا بنجارا
آگ کی کرسی پہ بیٹھا تھا

پاؤں میں زرد سنہری جوتی
ہاتھ میں آگ کا گلدستہ تھا

زرد صراحی منہ سے لگا کر
بار بار پانی پیتا تھا

اک جادوگرنی وہاں دیکھی
اُس کی شکل سے ڈر لگتا تھا

کالے منہ پہ پیلا ٹیکا
انگارے کی طرح جلتا تھا

نیلے سبز دھوئیں کی چادر
پیلی راکھ کا پہناوا تھا

سر پہ جلتی آگ کی ہنڈیا
طوق گلے میں سانپوں کا تھا

سینے پہ دو کالی کلیاں
پیٹ کی جھیل میں کنول کھلا تھا

کوڑیوں والا کالا پھنیر
جسم کا سونا چاٹ رہا تھا

اک رسیلے جرم کا چہرہ
آگ کے سینے سے نکلا تھا
پیاسی لال لہو سی آنکھیں
رنگ لبوں کا زرد ہوا تھا
بازو کھینچ کر بِتر بنے تھے
جسم کماں کی طرح ہلتا تھا
ہڈی ہڈی صاف عیاں تھی
پیٹ کمر سے آن ملا تھا
وہم کی زہر بھری دیمک نے
مایوسی کا جال بُنا تھا
جلتی سانسوں کی گرمی سے
شیشۂ تن پگھلا جاتا تھا
جسم کی پگڈنڈی سے آگے
جُرم و سزا کا دوراہا تھا
آگ کی چمکیلی گلیوں میں
روزِ حساب کا ہنگامہ تھا
آگ تھی اندھی، آگ تھی بہری
کون وہاں کس کی سُنتا تھا

مشتاق احمد خان ۲۹۲

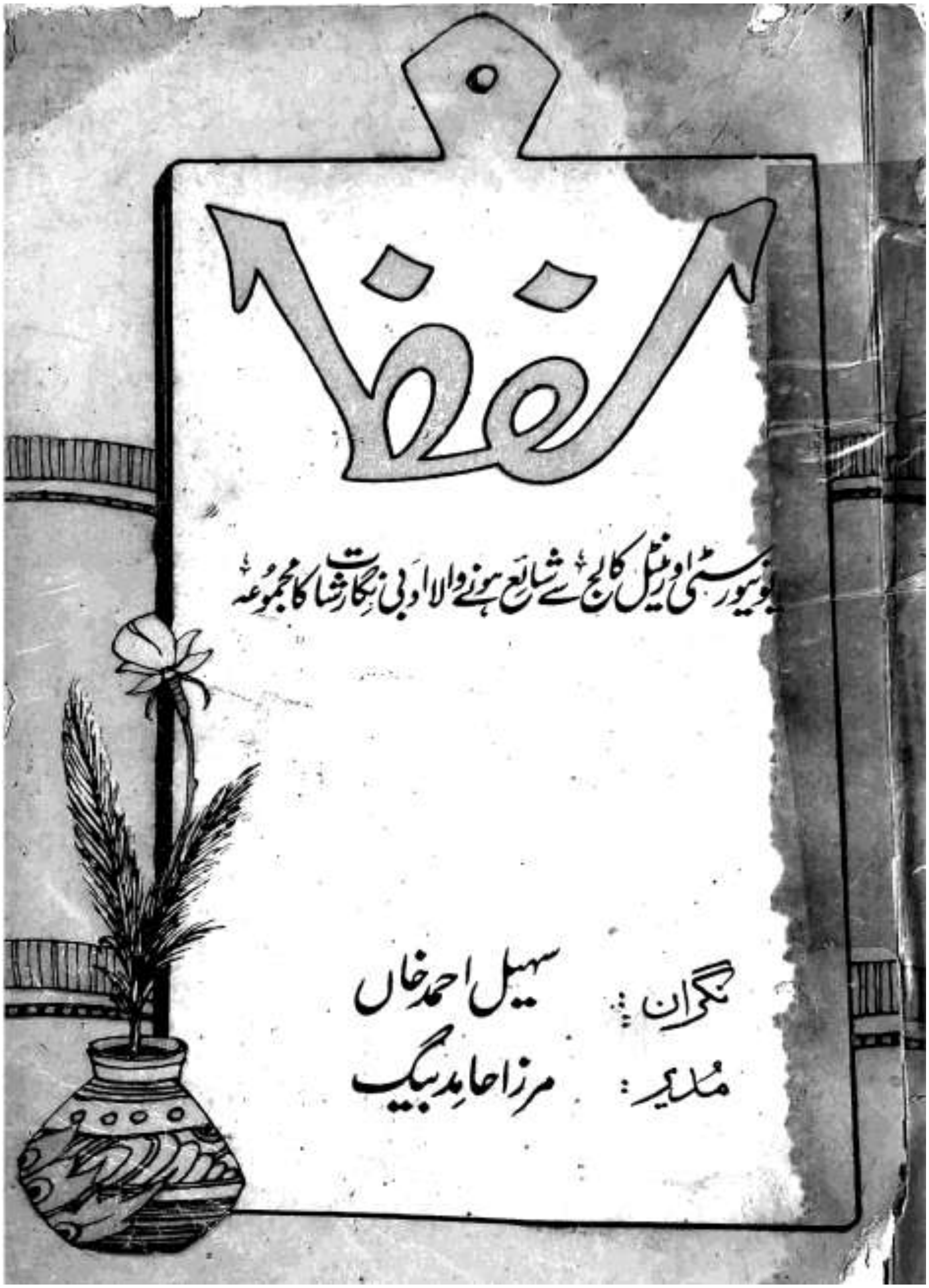

عکس ٹائٹل کور، لفظ، ۱۹۷۲ء۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۹۳) لیکچرار، ادارہ زبان و ادبیات اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ mushtaq.iull@pu.edu.pk

۱۔ باصر سلطان کاظمی، ناصر کاظمی: شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ۱۰۰۔

۲۔ ایضاً، ۱۸۔

باصر سلطان کاظمی کی کتاب کے محولہ صفحے سے مشاعرے کا سنہ اور مقام واضح ہو گیا۔

۳۔ محمد سلیم الرحمٰن، "پیش لفظ"، مشمولہ پہلی بارش از ناصر کاظمی (لاہور: القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، x۔

۴۔ خورشید رضوی، "پہلی بارش"، مشمولہ ہجر کی رات کا ستارا، مرتبین: احمد مشتاق، باصر سلطان کاظمی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ۲۴۰۔

۵۔ ناصر کاظمی، ناصر کاظمی کی ڈائری (چند پریشان کاغذ) (لاہور: مکتبہ خیال، ۱۹۹۵ء)، ۲۰۸۔

۶۔ شیخ صلاح الدین، ناصر کاظمی: ایک دھیان (لاہور: آغاز پبلیشرز، ۱۹۹۱ء)، ۴۹۔

۷۔ صابر ظفر کی ایک زمین میں لکھی گئی غزلوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں نامعلوم، غزل اندر غزل وغیرہ شامل ہیں۔ رفیق سندیلوی کا ایک مجموعہ گرز کے نام سے شائع ہوا جو پہلی بارش کے تتبع میں ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ ابرار عمر کا دوسری بارش اور سعید اقبال سعدی وغیرہ کے مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں جنھیں پہلی بارش کے تتبع میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ ناصر کاظمی، نشاط خواب (لاہور القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۱۰۶۔

۹۔ شیخ صلاح الدین، ناصر کاظمی: ایک دھیان، ۲۸۔

۱۰۔ باصر سلطان کاظمی "دیباچہ"، مشمولہ پہلی بارش از ناصر کاظمی، طبع سوئم (لاہور: القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، xv۔

۱۱۔ اورینٹل کالج لاہور سے لفظ کے چند ہی شمارے شائع ہوئے۔ ناصر کاظمی کی وفات ہوئی تو لفظ کے دسمبر ۱۹۷۲ء کے شمارے میں سہیل احمد خان کے ایک صفحے کے تعارف کے ساتھ پہلی بارش کی پانچ غزلیں شائع ہوئیں۔ اس شمارے کے مدیر مرزا حامد بیگ تھے اور یہ سہیل احمد خان کی نگرانی میں شائع ہوا۔

۱۲۔ خواجہ محمد ذکریا، چند اہم جدید شاعر (لاہور، سنگت پبلشرز، مارچ ۲۰۰۳ء)، ۸۶-۸۷۔

۱۳۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۳-۳۴ (۱۹۶۴ء)، ۲۳۴۔

۱۴۔ ایضاً، ۲۳۵۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش (القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ۳۷۔

۱۷۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۳-۳۴ (۱۹۶۴ء)، ۲۳۶، ۲۳۹۔

۱۸۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۳۹-۴۰۔

۱۹۔ ایضاً، ۳۹۔

۲۰۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۳-۳۴ (۱۹۶۴ء)، ۲۳۷۔

۲۱۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۵۳۔

۲۲۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۵-۳۶ (۱۹۶۵ء)، ۲۸۸۔

۲۳۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۲۸۔

۲۴۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۵-۳۶ (۱۹۶۵ء)، ۲۸۸۔

۲۵۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۲۷۔
۲۶۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۵-۳۶ (۱۹۶۵ء)، ۲۸۹-۲۹۰۔
۲۷۔ ایضاً۔
۲۸۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۲۹-۳۱۔
۲۹۔ ایضاً، ۳۰۔
۳۰۔ ناصر کاظمی "غزل"، مشمولہ نیا دور شمارہ ۳۵-۳۶ (۱۹۶۵ء)، ۲۹۱۔
۳۱۔ ایضاً، ۲۹۲۔
۳۲۔ ایضاً۔
۳۳۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۴۱-۴۲۔
۳۴۔ ناصر کاظمی، "غزل"، مشمولہ، لفظ (دسمبر ۱۹۷۲ء)، ۱۳۲۔
۳۵۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۱۳۔
۳۶۔ خورشید رضوی، "پہلی بارش"، مشمولہ ہجر کی رات کا ستارا، مرتبین: احمد مشتاق، باصر سلطان کاظمی، ۲۴۱۔
۳۷۔ ایضاً، ۲۴۱-۲۴۲۔
۳۸۔ ایضاً، ۲۴۱۔
۳۹۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، ۳۳۔
۴۰۔ خورشید رضوی صاحب سے راقم الحروف کی ٹیلی فونک گفتگو، (۲۴، جنوری ۲۰۲۶ء)۔
۴۱۔ باصر سلطان کاظمی (فرزند ناصر کاظمی) سے راقم الحروف کی ٹیلی فونک گفتگو، (۲۴، جنوری ۲۰۲۶ء)۔
۴۲۔ مرزا غالب، غالب کا منسوخ دیوان، طبع ثانی، مرتب: مسلم ضیائی (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۴ء)، ۴۔
۴۳۔ ایضاً، ۶۰۔
۴۴۔ ایضاً، ۱۴۰۔
۴۵۔ ایضاً، ۱۰۶۔
۴۶۔ ایضاً، ۱۸۹۔
۴۷۔ وجاہت علی سندیلوی، باقیات غالب (لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء)، ۱۰۔
۴۸۔ ایضاً، ۲۰۔
۴۹۔ نیّر مسعود، تعبیر غالب، مرتب: آصف فرخی (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ۱۴۶۔
۵۰۔ صابر کلوروی، کلیات باقیات شعر اقبال (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء)، ۳۔
۵۱۔ ایضاً، ۴۔

داغ نے اقبال کو حیدر آباد (دکن) آنے کی باقاعدہ دعوت دی تھی۔ اس کا اشارہ اقبال کے ایک شعر میں ملتا ہے۔

یہی ہے جو شوقِ ملاقاتِ حضرت
تو دیکھیں گے اک بار ملک دکن بھی

۵۲۔ ایضاً، ۵۔

ترک کر دی تھی غزل خوانی مگر اقبال نے
یہ غزل لکھی ہمایوں کو سنانے کے لیے

۵۳۔ ایضاً، ۱۱۔

۵۴۔ ایضاً، ۱۳-۱۴۔

۵۵۔ وجاہت علی سندیلوی، باقیات غالب (لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء)، ۱۰۔

Bibliography

Bukhari, Shohrat. *Khōyē Hu'ōñ Kī Justujū*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2002.

Faruqi, Nair Masood (ed.). *Ta'bīr-i Ghālib*. Ed. Asif Farrukhi. Karachi: Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 2018.

Ghalib, Mirza Asadullah Khan. *Ghālib kā Mansūkh Dīvān*. Ed. Muslim Ziai. Karachi: Idara-e-Yadgar-e-Ghalib, 2014.

Kaloorvi, Sabir. *Kulliyāt-i Bāqiyāt-i Shu'arā'-i Iqbāl*. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2004.

Kazmi, Basir Sultan. *Nāṣir Kāẓmī: Shakhṣiyyat aur Fan*. Islamabad: Academy of Letters Pakistan, 2007.

Kazmi, Nasir. *Nāṣir Kāẓmī kī Ḍā'irī (Chāñd Parēshān Kāghaz)*. Lahore: Maktaba Khayal, 1995.

———. *Nishāt-i Khvāb*. Lahore: Alqa Publications, 2014.

Sandilvi, Wajahat Ali. *Bāqiyāt-i Ghālib*. Lucknow: Naseem Book Depot, 1960.

Sheikh, Salahuddin. *Nāṣir Kāẓmī: Ēk Dhyān*. Lahore: Aghaz Publishers, 1991.

Zakariya, Khwaja Muhammad. *Chāñd Aham Jadīd Shā'ir*. Lahore: Sangat Publishers, March 2003.